الکلام المحمود لحل اسئلة

سنن ابی داؤد

جلد ثانی

﴿مرتب﴾

(مفتی) ولی اللہ اختر القاسمی (بجنوری)

خادم الحدیث والفقة

معهد عائشه الصدیقه قاسم العلوم دیوبند

ناشر

دار الکتاب دیوبند

بسم اللہ الرحمن الرحیم

﴿سوال ۱﴾
﴿سنن ابی داؤد صفحہ ۳۵۹﴾

وَاللّٰہِ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ مَاکَانَ بِی کُفْرٌ وَلَا اِرْتِدَادٌ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہ صلی اللّٰہُ علیہ وسلَّمَ صَدَقَکُمْ فَقَالَ عُمَرُ دَعْنِیْ اَضْرِبُ عُنُقَ ھٰذَا الْمُنَافِقِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللّٰہُ علیہ وسلمَ قَدْ شَھِدَ بَدْرًا وَمَا یُدْرِیْکَ لَعَلَّ اللّٰہ اِطَّلَعَ علٰی أَھلِ بَدرٍ فَقَالَ اِعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ فقد غَفَرْتُ لَکُمْ۔

(الف) حدیث شریف با اعراب لکھکر ترجمہ کریں **(ب)** یہ حدیث حضرت حاطب بن ابی بلتعہ کے بارے میں ہے مختصر طور پر ان کا قصہ تحریر کریں **(ج)** آپ علیہ السلام کے ''صدقکم'' کہنے کے باوجود حضرت عمرؓ نے حضرت حاطبؓ کو منافق کیوں کہا اس کا جواب تحریر کریں **(د)** ''قد شھد بذرا .الی اخوہ'' سے آپ علیہ السلام نے حضرت حاطبؓ سے کفر اور نفاق کی نفی پر استدلال کیا ہے آپ طریقہ استدلال تحریر کریں۔

جواب (الف)

ترجمۃ الحدیث:

اللہ کی قسم یا رسول اللہ! میں کافر اور مرتد نہیں ہوں حضور علیہ السلام نے (یہ سن کر) ارشاد فرمایا کہ حاطبؓ نے تم سے سچ کہا ہے حضرت عمرؓ نے ارشاد فرمایا کہ مجھے اس منافق کی گردن اڑانے دیجئے آپ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ یہ جنگ بدر میں شریک ہوئے ہیں اور کیا تم کو معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اہل بدر کے متعلق ارشاد فرمایا ہے کہ تم جو (عمل) چاہو کرو میں نے تم کو بخشا دیا ہے۔

جواب (ب)

حضرت حاطب بن ابی بلتعہ کا مختصر واقعہ:

حضرت حاطبؓ ابن ابی بلتعہ مشہور بدری صحابی ہیں، یمن کے باشندہ تھے اور مکہ مکرمہ میں آ کر مقیم ہو گئے تھے پھر مسلمان ہو کر ہجرت کر کے مدینہ منورآ گئے اور اہل وعیال کو مکہ ہی میں چھوڑ آئے آپؓ حضرت زبیرؓ کے حلیف تھے ۲ھ میں جنگ بدر میں شریک ہوئے، قصہ مختصر جس زمانہ میں کفار قریش نے حدیبیہ کا معاہدہ توڑا اور حضور علیہ السلام نے مکہ مکرمہ کفار سے آزاد کرانے کا ارادہ کیا، اس زمانہ میں سارہ نام کی ایک مغنیہ مدینہ منورہ آئی، حضور علیہ السلام نے اس سے معلوم کیا کہ کیا تم ہجرت کر کے آئی ہو؟ اس نے جواب دیا کہ نہیں، آپ علیہ السلام نے معلوم کیا کہ پھر کس مقصد سے آئی ہو تو اس نے جواب دیا کہ مکہ مکرمہ میں اعلیٰ خاندان کے لوگوں سے میرا گذران ہوتا تھا لیکن مکہ کے بڑے بڑے سردار جنگوں میں مارے گئے اور کچھ لوگ (مسلمان ہو کر) یہاں (مدینہ میں) چلے آئے اس لئے اب مکہ میں میرا گزارہ ہونا مشکل ہو گیا ہے، میں سخت پریشانی میں ہوں اور آپ سے مدد لینے آئی ہوں، آپ علیہ السلام نے یہ سنکر ارشاد فرمایا کہ تم تو مکہ کی پیشہ ور مغنیہ ہو مکہ کے وہ نوجوان کہاں گئے جو تم پر پیسے کی بارش کیا کرتے تھے اس نے کہا کہ جنگِ بدر کے بعد ان کی ساری تقریبات ختم ہو چکی ہیں اور اُس وقت سے مجھے کوئی نہیں بلاتا ہے، یہ سنکر آپ علیہ السلام نے بنی مطلب کو اس عورت کی مدد کرنے کی ترغیب دی، چنانچہ انہوں نے اس کو نقد پوشاک دے کر رخصت کر دیا، جب یہ عورت مدینہ منورہ سے مکہ روانہ ہوئی تو حضرت حاطب بن ابی بلتعہؓ نے اس کے ذریعہ کفار مکہ کی طرف ایک خط بھیجا جس میں لکھا تھا کہ حضور علیہ السلام کا لشکر اندھیری رات اور سیل بے پناہ کی طرح تم پر ٹوٹنے والا ہے، حضور علیہ السلام کو بذریعہ وحی اس خط کا علم ہو گیا چنانچہ آپ علیہ السلام نے چند صحابہؓ کو بھیج کر راستہ ہی میں سے اس عورت سے یہ خط طلب فرمالیا جب یہ خط آپؐ کی خدمت میں پیش ہوا تو معلوم ہوا کہ یہ حضرت حاطبؓ کا تحریر کیا ہوا ہے تو آپ علیہ السلام نے حضرت حاطبؓ کو بلا کر معلوم کیا کہ حاطبؓ یہ کیا ہے تو انہوں جواب دیا کہ یارسول اللہ یہ خط میرا ہی لکھا ہوا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ میں نے یہ خط نہ

تو اسلام سے مرتد ہو کر لکھا ہے اور نہ کفر پر راضی ہو کر لکھا ہے بلکہ یہ خط میں نے اس لئے لکھا ہے کہ میرے اہل وعیال مکہ میں ہیں اور ان کی حمایت و مدد کرنے والا وہاں کوئی نہیں ہے میں نے اس خط کے ذریعہ اہل مکہ پر ایک احسان کرنا چاہا تا کہ وہ میرے اہل وعیال کا خیال رکھیں اور یہ سچ ہے کہ میرے اس خط سے اسلام کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا فتح ونصرت کے جو وعدے اللہ رب العزت نے کر رکھے ہیں وہ ضرور پورے ہونگے ،آپ علیہ السلام نے حضرت حاطبؓ کا یہ جواب سنکر صحابہؓ سے ارشاد فرمایا کہ حاطبؓ نے تم سے سچ کہا ہے، حضرت عمرؓ فرمانے لگے کہ یا رسول اللہ مجھے اجازت دیجئے کہ میں اس منافق کی گردن اڑادوآپ علیہ السلام نے فرمایا (نہیں) کیا تمہیں معلوم نہیں کہ یہ اہل بدر میں سے ہیں اور اہل بدر کے متعلق اللہ رب العزت نے ارشاد فرمادیا ہے کہ تم جو چاہو (عمل) کرو میں نے تمہیں معاف کر دیا ہے۔(۱)

جواب (ج)

آپؐ کے ’’صدقکم‘‘ کہنے کے باوجود حضرت عمرؓ نے منافق کیوں کہا؟:

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے حضرت حاطبؓ کو حضور علیہ السلام کے ’’صدقکم‘‘ کہنے کے بعد منافق کیوں کہا، کیا حضرت عمرؓ کو حضور علیہ السلام کے حضرت حاطبؓ کو معاف کر دینے سے اتفاق نہیں تھا؟

اس سوال کا جواب یہ ہے کہ حضرت عمرؓ کو حضور علیہ السلام کے حضرت حاطبؓ کو معاف کر دینے سے کوئی اختلاف نہیں تھا اور نہ حضرت عمرؓ اختلاف کر سکتے تھے، رہا حضرت عمرؓ کا حضرت حاطبؓ کو منافق کہنا تو یہ غلبہ حال کی بنیاد پر تھا کیونکہ آپ کو منافقین سے از حد درجہ نفرت تھی اور آپؓ کے خیال میں حضرت حاطبؓ کا یہ فعل نفاق کی علامت تھا، بایں طور کہ انہوں نے کفار کو حضور علیہ السلام کے راز کی خبر دیکر آپ علیہ السلام کی نافرمانی کی تھی۔

اس سوال کا دوسرا جواب علامہ حلبی نے دیا ہے آپؒ فرماتے ہیں کہ ممکن ہے حضرت عمرؓ کا یہ قول حضور علیہ السلام کے حضرت حاطبؓ کو معاف کرنے اور ان کی تصدیق کرنے سے پہلے کا ہو

(۱) السمح المحمود ۹/ ۳۷ تا ۳۸.

اور روایات میں تقدیم وتاخیر ہوگئی ہو، اگر ایسا ہے تو پھر یہ سوال پیدا ہی نہیں ہوتا ہے اس لئے کہ جب اس طرح کے معاملات ہوتے ہیں تو بہت سے لوگوں کو غصہ آہی جاتا ہے۔

تیسرا جواب علامہ سندھی نے یہ دیا ہے کہ اس واقعہ کی اطلاع سے حضرت عمرؓ پر ایسی حالت طاری ہوگئی تھی کہ ان کو یہ پتہ نہیں چلا کہ حضور علیہ السلام نے کیا فرمایا ہے اور وہ غصہ میں کیا کہہ رہے ہیں، اس لئے اس جملہ کو لیکر کوئی سوال کرنا فضول ہے اس لئے کہ حضرت عمرؓ اس وقت اپنی حالت ہی میں نہیں تھے۔(۱)

جواب (د)

''قد شهد بدرا'' سے حضرت حاطبؓ سے نفاق کی نفی پر استدلال:

حضور علیہ السلام نے ''قد شهد بدرا . الى اخره'' فرماکر اس سے حضرت حاطبؓ سے کفر ونفاق کی نفی پر استدلال کیا ہے، واضح رہیکہ یہ استدلال بایں طور ہوتا ہے کہ جب حضور علیہ السلام نے حضرت حاطبؓ کو بلاکر ان سے معلوم فرمایا کہ'' ما هذا يا حاطب ''تو انہوں نے معذرت کی اور اصل واقعہ بالکل سچ سچ بیان کردیا، اس پر آپ علیہ السلام نے ''صدقكم'' فرماکر ان کے عذر کو قبول فرمالیا اور ان کو معاف کردیا، پس اس سے معلوم ہوا حضور علیہ السلام نے ان کو منافق یا کافر نہیں گردانا بالفرض اگر ایسا ہوتا تو آپ علیہ السلام نہ تو ان کو معاف فرماتے اور نہ ہی حضرت عمرؓ کو ان کے قتل سے منع فرماتے، پس آپؐ کا ان کو معاف فرمانا ہی ان کے کافر یا منافق نہ ہونے کی واضح دلیل ہے۔

﴿تم الجواب بعون الملک الوہاب﴾

﴿سوال۲﴾

﴿سنن ابی داؤد صفحہ۳۶۱ج۲﴾

بَابُ النَّهْيِ عَنِ الْمُثْلَةِ: عَنْ عَلْقَمَةَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى اللّٰهِ عليه وسلمَ اعَفُّ النَّاسِ قِتْلَةً اَهْلُ الْاِيْمَانِ۔

(الف) حدیث شریف با اعراب لکھکر ترجمہ کریں (ب) مطلب تحریر کریں (ج) حدیث

(۱) السمح المحمود ۹ / ۴۰.

شریف کی ترکیب نحوی کریں (د) اس حدیث کا ''باب فی النھی عن المثلة'' سے کیا تعلق ہے اس کی وضاحت کریں (ھ) نیز مثلہ کی حقیقت بیان کرتے ہوئے بتائیں کہ اختیاری اور اضطراری مسئلہ کیا حکم ہے دونوں ایک ہیں یا الگ الگ، جواب سوچ کر تحریر کریں۔

جواب (الف)

ترجمۃ الحدیث:

حضرت عبد اللہؓ بن مسعود سے روایت ہیکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے ایمان والے بہتر قتل کرنے والے لوگ ہیں۔

جواب (ب)

مطلب الحدیث:

واضح رہے کہ اس حدیث پاک کا مطلب جیسا کہ ترجمہ سے معلوم ہو رہا ہے، یہ ہے کہ جب ایمان والے کسی جنگ میں لوگوں کو قتل کرتے ہیں تو بری طرح قتل نہیں کرتے یعنی ایسا نہیں کرتے کہ مقتول کے ناک کان اور دیگر اعضاء کاٹ دیں اور لاش کا حلیہ بگاڑ دیں بلکہ صرف جان ہی لینے پر اکتفاء کرتے ہیں، اس کے برخلاف کفار کا طریقہ یہ ہے کہ جب وہ لوگوں کو قتل کرتے ہیں تو مقتول کے اعضاء کاٹ کر اس کو مثلہ کر دیتے ہیں حالانکہ کسی مقتول کے ساتھ ایسا عمل کرنا انسانیت کے سراسر خلاف ہے۔

جواب (ج)

حدیث شریف کی نحوی ترکیب:

حدیث ''اعف الناس قتلةً أھلُ الایمان'' کی نحوی ترکیب یہ ہے ''اعف'' اسم تفضیل مضاف ''الناس'' مضاف الیہ، مضاف، مضاف الیہ سے ملکر ممیّز ہوا ''قتلة'' اس کی تمیز، ممیّز تمیز سے ملکر مبتدا ہوا ''اھل'' مضاف ''الایمان'' مضاف الیہ، مضاف، مضاف الیہ سے مل کر خبر، مبتدا خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔(۱)

(۱) السمح المحمود ۱/۶۰.

جواب (د)

اس حدیث کا ''باب فی النھی عن المثلۃ'' سے کیا تعلق ہے:

واضح رہے کہ اس حدیث کا ''باب فی النھی عن المثلۃ'' سے حقیقتاً کوئی تعلق نہیں ہے البتہ ضمناً تعلق موجود ہے اور وہ اس طرح ہے کہ آپ علیہ السلام نے اس حدیث میں جنگ میں مثلہ نہ کرنے کی وجہ سے مسلمانوں کی تعریف کی ہے اور اس تعریف کے انداز ہی میں امت کو مثلہ نہ کرنے کا حکم دیا ہے، اور باب بھی مثلہ ہی کی ممانعت کا ہے پس بایں طور اس حدیث کا اس باب سے تعلق موجود ہے۔(۱)

جواب (ھ)

مثلہ کی حقیقت اور اس کے اختیاری اور اضطراری مسئلہ کا حکم:

مثلہ کی حقیقت یہ ہے کہ جنگ میں اپنے مدمقابل کو قتل کر کے اس کے ناک، کان، ہاتھ، پیر اور دیگر اعضاء کاٹ دیئے جائیں، واضح رہے کہ جنگ میں اپنے مدمقابل کی لاش کا مثلہ بنانا کفار کا طریق ہے، اسلام اس کی اجازت بالخصوص حالت اختیار میں بالکل نہیں دیتا ہے، البتہ حالت اضطرار میں تھوڑی بہت اس کی اجازت ایک حد تک دے دی جاتی ہے، چنانچہ صاحب الدرالمختار فرماتے ہیں کہ جب تک دشمنوں پر کامیابی اور غلبہ حاصل نہ ہو تو مثلہ بنانے میں کوئی حرج نہیں ہے جیسا کہ اس صورت میں ہے جب کوئی شخص مقابلہ کرنے کے لئے نکلے اور یکِ بعد دیگرے اپنے مدمقابل کے ناک، کان وغیرہ کاٹ دے، لیکن یہ صرف حالت اضطرار میں ہے رہی حالت اختیار تو اس میں مثلہ کرنا جائز نہیں ہے۔ کماذکرہ الشامی حاشیتہ فقال.....

حکم المثلة فی حالة الاختیار والاضطرار متفرق أما المثلة فی الاضطرار فھی جائزة بلاکراھة وأما فی الاِختیار ففیه خلاف یسیر بین الحنفیة والشافعیة أما الحنفیه، فقالوا بعدم جوازھا علی الاطلاق سواء کانت قصاصاً أو ابتداء وأما الشافعیة، فقالوا بجوازھا قصاصا وبِعَدَمِ جواز ھا فی غیر ھذه الصورة لأنھم صاروا الی جواز مھاثلة فی القصاص نظرا الی قوله تعالی وجزاء سیئة سیئة مثلھا والحنفیة قالوا: ان المماثلة لابد منھا فی القتل فقط لافی کیفیة القتل۔

(۱) السمح المحمود ۱/۶۱.

خلاصہ یہ ہے کہ حالت اضطرار میں بالاتفاق مثلہ کرنا جائز ہے اس میں کوئی کراہت نہیں ہے اور اضطرار کا مطلب یہ ہے کہ دوران مبارزت معرکہ جہاد میں غیر اختیاری طور پر ہاتھ، پیر، ناک، کان، وغیرہ کٹ دیئے جائیں، اورحالت اختیار میں مثلہ کرنے کے متعلق امام شافعیؒ اور احناف کے درمیان تھوڑسا اختلاف ہے، اور وہ یہ ہے کہ عندالاحناف اس صورت میں مثلہ کرنا (خواہ قصاصا ہو یا ابتداء) مطلقا ناجائز ہے جبکہ حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک قصاصا جائز ہے اس کے علاوہ جائز نہیں ہے۔

﴿تم الجواب بعون الملک الوہاب﴾

﴿سوال ۳﴾

﴿سنن ابی داؤد صفحہ ۳۶۱﴾

عَنْ حَمْزَةَ بنِ اَبِیْ أُسَيْدٍ عَنْ أَبِيْهِ قَالَ: قَالَ: رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللّٰهِ علیه وسلمَ حِيْنَ اصْطَفَفْنَا يَوْمَ بَدْرٍ اِذَا اَكْثَبُوْكُمْ يَعْنِیْ غَشُوكُمْ فَارْمُوْهُمْ بِالنَّبْلِ وَاسْتَبْقُوْا نَبْلَكُمْ۔

(الف) حدیث شریف با اعراب لکھ کر ترجمہ تحریر کریں (ب) مطلب بیان کریں (ج) غزوۂ بدر کی تاریخ پر مختصر روشنی ڈالیں۔

جواب (الف)

ترجمۃ الحدیث:

حضرت حمزہ بن ابی اسیدؓ اپنے والد ابی اسید (مالک بن ربیعہ) سے روایت کرتے ہیں کہ جب ہم نے بدر کے دن صف بندی کی تو حضور علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ جب وہ (یعنی مشرکین) تمہارے قریب ہو جائیں تو ان کو تیروں سے مارو (اور جب وہ دور ہوں) تو اپنے تیروں کو باقی رکھو۔

جواب (ب)

مطلب الحدیث:

اس روایت میں جنگ بدر کے دن کا ایک واقعہ بیان کیا گیا ہے، حاصل یہ ہے کہ جب

حضور علیہ السلام نے میدان بدر میں صحابہ کرامؓ کی صف بندی فرمائی تو آپ علیہ السلام نے صحابہؓ سے ارشاد فرمایا کہ کافروں پر دور سے تیروں کو مت پھینکنا، اس لئے کہ اگر دور سے تیروں کو پھینکا جائے گا تو اصل مقصد کفار کو اذیت دینا حاصل نہیں ہوگا، اور تیر بیکار ہو جائیں گے۔ بلکہ جب کفار تمہارے قریب ہو جائیں تب تیر چلانا تاکہ انہیں زیادہ سے زیادہ نقصان پہنچے اور ہمارا اصل مقصد بھی حاصل ہو جائے۔

جواب (ج)

تاریخ بدر پر مختصر روشنی:

واضح رہیکہ غزوۂ بدر اسلام کا پہلا غزوہ ہے جو کفار مکہ کے ساتھ میدان بدر میں ہوا ہے اس غزوہ کی مختصر تاریخ یہ ہے کہ حضور علیہ السلام ملک شام سے لوٹنے والے قریش کے ایک کاروان تجارت کے تعاقب میں بروز اتوار بتاریخ ۱۲ر رمضان المبارک ۲ھ کو ۳۱۳ صحابہ کو ساتھ لیکر مدینہ سے روانہ ہوئے آپ کے لشکر میں صرف دو گھوڑے اور ستر اونٹ تھے، مدینہ منورہ سے ایک میل کے فاصلہ پہ بیر ابی عنبہ پہنچ کر آپ علیہ السلام نے لشکر کا جائزہ لیا، اور مسکینوں کو واپس کر دیا، مقام صفراء پہنچ کر معلوم ہوا کہ قافلہ تجارت کی حفاظت کے لئے مکہ سے قریش کا ایک لشکر روانہ ہو کر بدر کے قریب پہونچ گیا ہے، نیز اسی کے ساتھ یہ ہوا کہ قافلہ تجارت کے سردار ابوسفیان کو بھی حضور علیہ السلام کے اس تعاقب کی اطلاع مل گئی انہوں نے اس اطلاع کے بعد یہ کیا کہ ضمضم غفاری نام کے ایک شخص کو اجرت دے کر قریش کو اطلاع دینے کے لئے روانہ کر دیا اور خود نے قافلہ کو لیکر راستہ تبدیل کر کے ساحل سمندر کے راستہ سے سفر شروع کر دیا، ادھر مکہ میں اطلاع پاتے ہی ابوجہل کی سرکردگی میں جنگجو نوجوانوں اور مانے ہوئے شہسواروں پر مشتمل ایک ہزار افراد کی جمعیت سو گھوڑوں، سات سو اونٹوں اور ناچنے والی عورتوں کو لیکر مدینہ کی جانب روانہ ہوگئی، لیکن جب کاروان تجارت بچ کر نکل گیا تو ابوسفیان نے لشکر قریش کو پیغام بھیجا کہ قافلہ تجارت بحفاظت نکل آیا ہے تم واپس آ جاؤ، اس پیغام کے ملتے ہی بنوزہرہ واپس آ گئے، البتہ ابوجہل پورے لشکر کے ساتھ واپس ہونے پر تیار نہ ہوا اور یہ کہنے لگا کہ ہم بدر میں تین دن جشن منا کر واپس ہونگے حاصل یہ کہ کفار کا یہ لشکر بدر پہنچ گیا

اور ۱۷ ررمضان ۲ھ جمعہ کی صبح کو میدان بدر میں کفر و اسلام کی صفیں آمنے سامنے بندھ گئی، انفرادی مقابلہ شروع ہوا تو قریش کے لشکر سے عتبہ، شیبہ اور ولید نکلے، لشکر اسلام سے حضرت حمزہؓ، علی اور عبیدہؓ بن الحارث آئے اور انہوں نے تینوں کافروں کا کام تمام کردیا، عتبہ کے وار سے حضرت عبیدہؓ کی ٹانگ کٹ گئی تھی، کچھ دیر بعد انہوں نے شہادت پائی پھر عام حملہ شروع ہوا، مٹھی بھر توحید کے پاسبانوں نے ایمان وعزیمت اور بہادری وشجاعت کے وہ جوہر دکھائے کہ میدان بدر آج بھی ان کی عظمت اور نصرت خداوندی کے گن گا رہا ہے، قریش کے ستر آدمی مارے گئے، ستر قید کئے گئے، چودہ مسلمان شہادت کی دولت سے سرفراز ہوئے اور اہل اسلام اپنے پیغمبر کے جلو میں شان وشوکت کے ساتھ مدینہ واپس آ گئے۔ (۱)

﴿تم الجواب بعون الملک الوہاب﴾

﴿سوال ۴﴾

﴿سنن ابی داؤد صفحہ ۳۶۵﴾

بــابٌ فِـي الأسيرِ يُكْرَهُ على الإسلامِ عَنْ اِبْنِ عباسٍ قال: كَانَتِ المرأةُ تَـكُـونُ مِقلاةً فَتَجْعَلُ عَلٰى نَفْسِهَا اِنْ عَاشَ لَهَا وَلَـدٌ أنْ تُهَوِّدَهُ فَلَمَّا اُجْلِيَت بَـنُوالنَّضِيرِ كَانَ فِيْهِمْ أبناءُ الأنصارِ فقالوا لَانَدَعُ أبْنائَنا، فأنزل اللّٰه عزّوجلّ لااِكراهَ فِي الدينِ قدتبيّن الرشد من الغيِّ۔

(الف) حدیث شریف با اعراب لکھکر ترجمہ اور مطلب تحریر کریں (ب) نیز یہ بتائیں کہ حدیث پاک سے ترجمۃ الباب کس طرح ثابت ہورہا ہے، وضاحت کے ساتھ تحریر کریں۔

جواب (الف)

ترجمۃ الحدیث:

یہ باب ہے قیدیوں کو اسلام پر مجبور نہ کرنے کے بیان میں، حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ زمانہ جاہلیت میں جب کوئی عورت ایسی ہوتی کہ اس کا بچہ نہ جیتا تو وہ یہ نذر مان لیا

(۱) کشف الباری ۱۹۶/۸.

کرتی تھی کہ اگر اس کا بچہ زندہ رہے گا تو یہودی بنادے گی، جب بنونضیر کے یہودیوں کو جلاوطن کیا گیا تو ان میں انصار کے بچے بھی تھے، انصار نے کہا کہ ہم اپنی اولاد کو نہ چھوڑیں گے، تو اللہ نے یہ حکم نازل فرمایا کہ ''لا اکراہ فی الدین'' کہ دین میں زبردستی نہیں ہوسکتی، گمراہی اور ہدایت واضح ہوچکی ہیں۔ (جس کو چاہیں اختیار کریں)

مطلب الحدیث:

اس روایت کا مطلب یہ ہے کہ زمانہ جاہلیت میں یہودی مذہب کو اچھا سمجھا جاتا تھا، اس لئے جس عورت کا بچہ نہ جیتا تو وہ یہ نذر مان لیا کرتی تھی کہ اگر میرا بچہ زندہ رہا تو میں اس بچہ کو یہودی بنادوں گی، اسی وجہ سے انصار کی بہت سی اولاد یہودی تھی۔

لیکن جب ۴ ہجری میں حضور علیہ السلام نے مدینہ کے ایک یہودی قبیلہ بنونضیر کو ان کی بُری حرکتوں کی وجہ سے جلاوطن کیا تو ان میں انصار کے وہ بچے بھی شامل تھے جن کو اسی طرح کی نذر وغیرہ کے ذریعہ یہودی بنادیا گیا تھا، انصار کہنے لگے کہ یا رسول اللہ ہم نے اپنے بچوں کو اس وقت یہودی بنایا تھا جب ہم یہودیت کو اچھا سمجھتے تھے مگر اب اسلام کا آفتاب طلوع ہوچکا ہے اور تمام ادیان سے افضل دین ہمارے پاس ہے تو ہم اپنے بچوں کو یہودی باقی نہیں رہنے دیں گے اور انہیں اسلام پر مجبور کریں گے اس پر قرآن کریم کی یہ آیت نازل ہوئی ''لَا اِکراہَ فِی الدین قدتبیّن الرشد من الغی'' دین میں زبردستی نہیں ہوسکتی، گمراہی اور ہدایت واضح ہوچکی ہیں آدمی جس کو چاہے اپنی مرضی سے اختیار کرے لہذا ان بچوں کو زبردستی مسلمان نہ بنایا جائے۔

جواب (ب)

حدیث مذکورہ سے ترجمۃ الباب کا ثبوت:

واضح رہیکہ یہاں ترجمۃ الباب ''لا اکراہ فی الدین'' سے ثابت ہورہا ہے کیونکہ باب کا مقصد اکراہ فی الدین کے عدم جواز کو بتلانا اور حدیث میں بھی عدم اکراہ کا بیان ہے۔ (۱)

﴿تم الجواب بعون الملک الوہاب﴾

(۱) السمح المحمود ۹/۸۶.

﴿سوال ۵﴾

﴿سنن ابی داؤد صفحہ ۳۶۸﴾

بَـابٌ فـى عبيدِ المشركين يلحَقونَ بالمسلمينَ فيسلمونَ: عن عَلىٍّ بنِ أبـى طـالبِ قالَ خَرَجَ عِبْدَانُ اِلٰى رسولِ اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلمَ يعنى يومَ الـحُـديبيَّةِ قَبْـلَ الصُّلْحِ فَكَتَبَ اِلَيْهِ مَوَالِيْهِمُ، فقالوا يامحمد! واللّٰهِ ماخَرَجُوْا اِليک رَغْبَةً فـى دينکَ وَاِنَّـمـا خـرجـوا هَـرَبًا منَ الرِّقِّ، فقال ناسٌ صَدَقُوْا يـارسـول الـلّٰـه ردهـم اليهم فغضب رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم وقال: مـاأُرَاكُـمْ تَـنْهَـوْنَ يا مَعْشَرَ قُرَيْشٍ حتٰى يَبْعَثَ اللّٰه عَليكم مَن يَضرِبُ رِقابَكُمْ علٰى هٰذا وأبٰى أن يَرُدَّهُمْ، وقال هُمْ عُتَقاءُ اللّٰه عزَّوجَلَّ۔

(الف) حدیث شریف با اعراب لکھ کر ترجمہ کریں (ب) مطلب بیان کریں (ج) غلاموں کی واپسی کی بات حدیبیہ کے موقع پر پیش آئی یا کسی دوسرے غزوہ کے موقع پر اگر کوئی دوسرا موقع ہو تو اس کی نشان دہی کریں (د) اس واقعہ کا وقوع حدیبیہ میں ہونا کیوں غلط ہے اس کی وجوہ تحریر کریں (ھ) فقال اناس سے کون مراد ہیں اس کو اور غلاموں کے آزاد ہونے کے اسباب کو بیان کریں۔

جواب (الف)

ترجمۃ الحدیث:

یہ باب ہے مشرکین کے ان غلاموں کے بیان میں جو بھاگ کر مسلمانوں کے پاس آجائیں اور مسلمان ہو جائیں، حضرت علی بن ابی طالبؓ سے روایت ہے کہ حدیبیہ کے دن صلح سے پہلے حضور علیہ السلام کے پاس کئی غلام بھاگ کر آئے ان غلاموں کے مالکوں نے حضور علیہ السلام کو لکھا کہ اللہ کی قسم یہ غلام تمہارے پاس تمہارے دین میں رغبت کی وجہ سے نہیں آئے بلکہ غلامی سے بھاگ کر تمہاری طرف آئے ہیں، لوگوں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ ان لوگوں نے سچ کہا ہے ان غلاموں کو ان کے مالکوں کے پاس ہی واپس بھیج دیجئے، اس پر آپ علیہ السلام ناراض ہو گئے

اور فرمایا اے قریش کی جماعت میں تم کو اس وقت تک نافرمانی سے باز آتا ہوا نہیں دیکھتا ہوں جب تک اللہ تعالیٰ تم پر ایسے شخص کو مسلط نہ کردے جو اس (کام یعنی غلاموں کو کفار کی طرف واپس کرنے کی سفارش) پر تمہاری گردنیں نہ اڑادے، پھر آپ علیہ السلام نے ان غلاموں کو واپس کرنے سے انکار فرمادیا اور فرمایا کہ یہ اللہ کے آزاد کردہ ہیں۔

جواب (ب)

مطلب الحدیث:

واضح رہیکہ حضرت امام ابوداؤد نے اس باب کو قائم کرکے اور اس کے تحت یہ حدیث لاکر یہ بیان کیا ہے کہ اگر مسلمانوں کے پاس مشرکین کے غلام بھاگ کر آجائیں اور اسلام قبول کرلیں تو وہ آزاد ہوجاتے ہیں ان کو مشرکین کی طرف واپس بھیجنا جائز نہیں ہے۔

جواب (ج)

غلاموں کی واپسی کی بات کس موقع پر پیش آئی ہے:

واضح رہے کہ کافروں کی جانب غلاموں کو واپس کرنے کی یہ بات حدیبیہ کے موقع پر پیش نہیں آئی ہے بلکہ یہ غزوہ طائف کے موقع پر پیش آئی ہے" فأهل السّيَرِ متفقونَ علىٰ أنّ هٰذهِ القصّة وقعت فی غزوة الطائف ولم يذكر أحدٌ من أهلِ السِّيرِ هٰذه القِصَّة فی الحديبية'' پس اہل سیر اس بات پر متفق ہیں کہ یہ قصہ غزوہ طائف کے موقع پر پیش آیا ہے۔

جواب (د)

اس واقعہ کا حدیبیہ میں ہونا کیوں غلط ہے:

واضح رہے کہ اس واقعہ کا صلح حدیبیہ کے موقع پر ہونا بالکل غلط ہے، اور اس کے غلط ہونے کی اس کی تین وجہ ہیں (۱) پہلی وجہ یہ ہے کہ تمام اہل سیر کا اس بات اتفاق ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کفار کے غلام غزوہ طائف ہی میں آئے تھے، حدیبیہ کے موقع پر نہیں آئے تھے (۲) دوسری وجہ اس کے غلط ہونے کی یہ ہے کہ اس روایت میں ایک لفظ فقال الناس آیا ہے اب اگر اس واقعہ کو صلح حدیبیہ کے موقع کا تسلیم کریں تو پھر فقال الناس سے کبار صحابہ مراد

نہیں ہوسکتے کیونکہ طبیعت سلیمہ اس بات کو قبول ہی نہیں کرتی ہے کہ بڑے بڑے صحابہ محض ظن کی وجہ سے ایسا کلام کریں جو حضور علیہ السلام کی انتہائی ناراضگی کا سبب بن جائے نیز آپ علیہ السلام نے کبھی بھی صحابہ کے لئے یامعشر قریش کا لفظ استعمال ہی نہیں فرمایا اور نہ ہی صحابہ پر کبھی اتنے غصہ کا اظہار کیا، پس اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ حدیبیہ کے موقع کا نہیں ہے کیوں کہ حدیبیہ کے موقع پر تو اکثر بڑے بڑے صحابہ موجود تھے۔ (۳) تیسری وجہ اس کے غلط ہونے کی یہ ہے کہ حدیث میں لفظ ''یوم الحدیبیہ'' راوی حدیث حضرت علی سے منقول نہیں ہے بلکہ یہ بعض رواۃ کی تفسیر ہے جس کی دلیل ''یعنی یوم الحدیبیہ'' میں لفظ ''یعنی'' ہے، نیز اس کے علاوہ دوسری روایت میں بھی اس واقعہ کے طائف ہی میں ہونے کی صراحت ہے۔

جواب (ھ)

فقال اناس سے کون مراد ہیں:

فقال ناس سے مراد نومسلم صحابہ ہیں جن سے ایسے کلام کا صادر ہونا ممکن ہے۔ (۱)

غلاموں کے آزاد ہونے کے اسباب:

أما سبب العتق المثبت له فقد يكون دعوى النسب، وقد يكون الملك في القريب وقد يكون الاقرار بحرية عبد انسان حتى لو ملكه عتق، وقد يكون بالدخول في دار الحرب، فان الحربي لو اشترى عبدا مسما فدخل به الى دار الحرب ولم يشعر به عتق عند أبي حنيفة، وكذا زوال يده عنه، بأن هرب من مولاه الحربي الى دار الاسلام وقديكون باللفظ المخصوص للاعتاق، وهو نفسه ركن الاعتاق اللفظي الانشائي. (۱)

﴿تم الجواب بعون الملك الوہاب﴾



(۱) السمح المحمود ۹/ ۱۱۸.

﴿سوال ۶﴾

﴿سنن ابی داؤد صفحہ ۳۶۸﴾

عن نافع عَن ابن عُمَرَ أنّ غُلاماً لابْنِ عُمَرَ أبِقَ الٰی العَدُوِّ فَظَهر عَلَيْهِ المسلمُونَ فَرَدَّه رسولُ اللّٰهُ صلی الله علیه وسلَّمَ اِلٰی ابنِ عمرَ وَلَمْ يُقَسِّمْ۔

(الف) حدیث شریف باعراب لکھ کر ترجمہ کریں (ب) حضرت امام ابو داؤد نے اس حدیث کو ’’ بابُ المال يصيبه العدُوُّ من المسلمين ثم يدرکه صاحبُه في الغنيمةِ ‘‘ کے تحت نقل کیا ہے، اس حدیث سے کیا ثابت ہوتا ہے اور کس طرح ہوتا ہے اس کو تحریر کریں (ج) اس مسئلہ میں ائمہ کا کیا اختلاف ہے اس کو بیان کریں (د) امام ابوحنیفہ کا مذہب اور ان کی دلیل نیز جو دلیل ان کے خلاف ہے اس کا جواب تحریر کریں۔

جواب (الف)

ترجمۃ الحدیث:

حضرت عبداللہ بن عمر سے مروی ہے کہ ان کا ایک غلام دشمنوں کے یہاں بھاگ کر چلا گیا پھر مسلمان ان دشمنوں پر غالب آ گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ غلام حضرت عبداللہ ہی کو واپس کر دیا اور اس کو مالِ غنیمت میں تقسیم نہیں فرمایا۔

جواب (ب)

اس حدیث سے کیا ثابت ہوتا ہے؟:

اس باب سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اگر کفار مسلمانوں کے اموال پر قبضہ کر لیں خواہ کسی بھی طرح کریں اور پھر مسلمان کا ان پر غلبہ ہو جائے اور وہ اموال کفار کے قبضے سے پھر مسلمانوں کے قبضہ میں آ جائیں تو ان اموال کو مال غنیمت میں شمار نہیں کیا جائے گا بلکہ صاحب مال کو اگر وہ موجود ہو گا یا اس کے وارثین کو اگر وہ ہونگے دے دیا جائے گا۔

جواب (ج)

اس مسئلہ میں أئمہ کا کیا اختلاف ہے؟:

واضح رہیکہ اس مسئلہ میں حضرات أئمہ کا اختلاف ہے اور یہ اختلاف ایک اصولی مسئلہ پر مبنی

ہے،مسئلہ یہ ہے کہ استیلاء کفار(یعنی مسلمانوں کے اموال پر کفار کا قابض ہوجانا) ملکیت کا سبب ہوتا ہے یا نہیں؟ تو ذہن نشین رہے کہ اس مسئلہ کی دو صورتیں ہیں(۱) پہلی صورت یہ ہے کہ کفار دارالاسلام میں داخل ہوکر مسلمانوں کے اموال پر قبضہ کریں اور اس کو دارالحرب لیکر نہ جائیں اسی درمیان مسلمان ان اموال پر دوبارہ قابض آجائیں تو اس صورت میں یہ اموال استیلاء کفار کے باوجود ان کی ملکیت میں شمار نہیں ہونگے اور بالاتفاق تمام فقہاء کے نزدیک ان اموال کو ان کے اصل مالک کو واپس کرنا ضروری ہے (۲) دوسری صورت یہ ہے کہ کفار مسلمانوں کے ان اموال کو دارالحرب لیجائیں اور وہاں ان پر مکمل طور سے قابض ہوجائیں اور پھر مسلمان جنگ کے ذریعہ ان پر غالب آئیں اور ان اموال کو دوبارہ حاصل کرلیں، اگر یہ صورت ہے تو اس صورت میں وہ اموال اس کے اصل مالک کو واپس ہونگے یا نہیں؟ اس میں ائمہ کرام کے مابین سخت اختلاف ہے چنانچہ اس سلسلے میں ان حضرات کے تین مذہب ہیں....

مذہب اول:

پہلا مذہب حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ اور امام احمدؒ بن حنبل کا ہے،ان حضرات کے نزدیک مسلمانوں کے اموال پر کفار کا استیلاء احراز کی شرط کے ساتھ ان کی ملکیت کا سبب ہے،لہذا اگر کفار مسلمانوں کے اموال کو اپنے قبضہ میں لیکر دارالحرب منتقل کرلیں تو وہ ان مالوں کے مالک ہوجائیں گے،اب اگر مسلمان ان اموال پر دوبارہ جنگ کے ذریعہ قبضہ کرتے ہیں تو یہ اموال، مالِ غنیمت میں تقسیم ہونگے اصل مالک کو واپس نہیں ملیں گے۔ (۱)

مذہب دوم

دوسرا مذہب حضرت امام مالکؒ، حضرت لیثؒ اور فقہاء سبعہ کا ہے،ان حضرات کے نزدیک مسلمانوں کے اموال پر کفار کا مطلقاً استیلاء کرنا ان کی ملکیت کا سبب ہے اس میں احراز کی کوئی شرط نہیں ہے،لہذا مسلمانوں کے اموال پر کفار کے قبضہ کرنے کے بعد مسلمان ان اموال کو دوبارہ حاصل کرتے ہیں تو یہ اموال، مالِ غنیمت کا حصہ ہونگے اصل مالک کا حق نہیں ہونگے،البتہ اصل مالک کو یہ اختیار ہوگا کہ وہ اپنے مال کو غنیمت تقسیم ہونے سے پہلے بغیر قیمت لے سکتا ہے۔

(۱) بذل المجهود قديم بيروت ۴/ ۲۲، اوجز المسالک ۴/ ۵۰ ،فتح الباری ۶/ ۲۲۶.

مذہب سوم:

تیسرا مذہب حضرت امام شافعیؒ کا ہے آپ کے نزدیک اگر کفار مسلمانوں کے اموال پر قبضہ کرلیں تو چاہے ان کو دار الحرب لیکر جائیں یا نہ جائیں وہ اموال کافروں کی ملکیت شمار نہیں ہونگے اور ان اموال پر ان کا استیلاء ان کی ملکیت کا سبب نہیں ہوگا، بلکہ ان پر مسلمانوں کی ملکیت بدستور باقی رہے گی اور جب بھی یہ اموال مسلمانوں کے پاس آئیں گے تو انہیں ان کے اصل مالک کو واپس کیا جائے گا۔ اور ایسا کرنا ضروری ہوگا۔

مذکورہ مسئلہ میں حضرت امام ابوحنیفہؒ کا مذہب اور دلیل:

اس مسئلہ میں حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کا مذہب جیسا کہ سابق میں گذرا ہے، یہ ہے کہ مسلمانوں کے اموال پر کفار کا استیلاء احراز کی شرط کے ساتھ ان کی ملکیت کا سبب ہے لہذا اگر کفار مسلمانوں کے اموال کو اپنے قبضہ میں لیکر دار الحرب منتقل کرلیں تو وہ ان مالوں کے مالک ہونگے پھر اگر مسلمان ان اموال پر دوبارہ جنگ کے ذریعہ قبضہ کرتے ہیں تو یہ اموال مال غنیمت میں تقسیم ہونگے اصل مالک کو واپس نہیں ملیں گے۔

واضح رہیکہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ نے اپنے اس مسلک پر قرآن کریم کی آیت سے استدلال کیا ہے، قرآن کریم میں اللہ رب العزت ارشاد فرماتے ہیں ''لِلْفُقَرَاءِ المهاجِرِينَ الَّذين أخرجوا من ديارهم و أموالِهم ''اس آیت سے امام صاحب نے بایں طور استدلال کیا ہے کہ اس میں اللہ رب العزت نے مہاجرین کو فقراء قرار دیا ہے حالانکہ مکہ مکرمہ میں صحابۂ کرام صاحب ثروت اور مالدار تھے لیکن ہجرت کے بعد جب کفار نے ان کے اموال پر قبضہ کرلیا تو قرآن نے ان کو فقراء قرار دیدیا، پس اس سے معلوم ہوتا ہے مسلمانوں کے اموال پر کفار کا استیلاء کرنا ان کی ملکیت کا سبب ہے، لہذا کفار اگر مسلمانوں کے اموال پر قابض ہوجائیں اور ان کو دار الحرب منتقل کرلیں تو وہ ان اموال کے مالک ہونگے، اب اگر یہ اموال دوبارہ اہل اسلام کے قبضہ میں آتے ہیں تو ان کو مال غنیمت میں تقسیم کیا جائے گا اصل مالک کو واپس نہیں کیا جائے گا۔

حضرت امام اعظمؒ کی مخالف دلیل کا جواب:

واضح رہیکہ مذکورہ فی السوال حدیث بظاہر حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے اس مذہب اور دلیل کے مخالف اور حضرت امام شافعیؒ کے مسلک کے مطابق ہے، لیکن احناف کی جانب سے اس حدیث کا یہ جواب دیا جاتا ہے کہ ہمارے نزدیک مسلمانوں کے اموال پر کفار کا استیلاء بعد الاحراز کافروں کی ملکیت کا سبب ہوتا ہے رہا حضور علیہ السلام کا حضرت عبداللہ کے غلام کا انہیں کو واپس کرنا تو یہ قبل الاحراز تھا بعد الاحراز نہیں تھا اس لئے اس روایت کو لیکر احناف پر اعتراض کرنا اور ان کے خلاف دلیل پکڑنا صحیح نہیں ہے۔

﴿تم الجواب بعون الملک الوہاب﴾

﴿سوال ۷﴾

﴿سنن ابی داوٗد صفحہ ۳۶۹﴾

عَنْ عبدِ اللّٰهِ بْنِ مُغَفَّلٍ قال دُلِّيَ جِرابٌ مِن شَحْمٍ يَوْمَ خَيْبَرَ قال فأتيته فالتَزَمْتُهُ، قال ثُمَّ قُلْتُ لاأَعْطى مِن هٰذا أحدًا اليوم شيئًا قالَ فالتفتُّ فِاذَا رسولُ اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم يَتَبَسَّمُ اِلى۔

(الف) حدیث شریف بااعراب لکھ کر ترجمہ کریں (ب) مطلب وضاحت کے ساتھ بیان کریں (ج) مجاہدین کے لئے مال غنیمت میں سے اس کی تقسیم سے پہلے کس طرح کی چیزوں کا استعمال کرنا جائز ہے تفصیل سے تحریر کریں۔

جواب (الف)

ترجمۃ الحدیث:

حضرت عبداللہ بن مغفلؓ سے روایت ہے کہ خیبر کے دن ایک چمڑے کی تھیلی لٹک رہی تھی، حضرت عبداللہ بن مغفلؓ کہتے ہیں کہ میں اس کی طرف بڑھا اور اس کو اپنے سے چمٹالیا، اور (دل ہی دل میں) کہنے لگا کہ میں آج اس میں سے کسی کو کچھ نہیں دونگا (حضرت عبداللہؓ بن مغفل) فرماتے ہیں کہ پھر میں نے اچانک مڑ کر دیکھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے دیکھ کر مسکرا رہے تھے۔

جواب(ب)

مطلب الحدیث:

مذکورہ حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ جنگ خیبر کے موقع پر کسی یہودی نے چربی سے بھری ہوئی ایک تھیلی قلعہ کے اوپر سے باہر پھینکی، حضرت عبداللہ بن مغفلؓ کی اس پر نگاہ پڑی تو وہ کسی چیز میں اٹک کر لٹک گئی تھی انہوں نے اس تھیلی کو جلدی سے اٹھایا اور اپنے بدن سے چمٹالیا اور دل ہی دل میں کہنے لگے کہ میں آج اس تھیلی میں سے کسی کو بھی کچھ نہیں دونگا، حضرت عبداللہ فرماتے ہیں کہ میں ابھی اسی خیال میں تھا کہ میں نے اچانک مڑکر دیکھا تو حضور علیہ السلام مجھے دیکھ کر مسکرارہے تھے۔

واضح رہیکہ آپ علیہ السلام کے مسکرانے کی اصل وجہ حضرت عبداللہ کی حالت تھی آپ علیہ السلام نے جب ان کی یہ حالت دیکھی تو آپ مسکرانے لگے۔

جواب(ب)

مجاہدین مال غنیمت سے قبل التقسیم کس طرح کی چیزیں استعمال کرسکتے ہیں؟

واضح رہے کہ صاحب فتح القدیر حافظ ابن ہمامؒ مصری کے بقول مجاہدین کو حاصل ہونے والے مالِ غنیمت کی دو قسمیں ہیں (۱) مال غنیمت من قبیل غیر المطعومات (۲) مال غنیمت من قبیل المطعومات۔

پھر مال غنیمت من قبیل المطعومات کی بھی دو قسمیں ہیں (۱) وہ مال غنیمت جس کو بطور علاج استعمال کیا جائے (۲) وہ مال غنیمت جس کو بطور غذاء استعمال کیا جائے۔

اب اگر مال غنیمت من قبیل غیر المطعومات کے قبیل سے کوئی چیز مجاہدین کو ملتی ہے تو اس کو قبل التقسیم استعمال کرنا کسی کے لئے بھی جائز نہیں ہے، البتہ اگر کسی مجاہد کو اس کی اشد ضرورت پڑجائے مثلاً تلوار کی ضرورت پڑجائے تو اسکے استعمال کی اجازت ہے لیکن استعمال کرنے کے بعد غنیمت میں واپس کرنا ضروری ہے۔

اور اگر مال غنیمت من قبیل المطعومات کے قبیل سے کوئی ایسی چیز ملتی ہے جس کو علاجاً استعمال کیا جاتا ہے تو مریض مجاہد کے لئے قبل التقسیم اس کو استعمال کرنا جائز ہے، البتہ عام لوگوں کے لئے جائز نہیں ہے، اور اگر اسی قبیل کے مال غنیمت سے کوئی ایسی چیز مجاہدین کو ملتی ہے جس کو بطور غذاء کے استعمال کیا جاتا ہے جیسے روٹی، گائے، بکری وغیرہ تو ضرورت کے وقت عام لوگ کیلئے بھی تقسیم سے پہلے اس کو استعمال کرنا جائز ہے۔

واضح رہے کہ تمام فقہاء کا یہی مسلک ہے کہ دارالحرب میں غنیمت کے مال سے بوقت ضرورت امام کی اجازت کے بغیر کھانا تو جائز ہے البتہ بیچنا جائز نہیں ہے۔(۱)

﴿تم الجواب بعون الملک الوہاب﴾

﴿سوال ۸﴾

﴿سنن ابی داؤد صفحہ ۳۷۱﴾

عن عُمَر بن الخطاب عَنِ النّبيِّ صلی الله عليه وسلمَ قالَ: اِذَا وَجَدتُّمُ الرَّجُلُ قَدْ غَلّ فَأَحْرِقُوْا مَتَاعَهُ وَضْرِبُوْهُ، قَالَ فَوَجَدْنَا فِيْ مَتَاعِهِ مُصْحَفًا فَسَأَلَ سَالِمًاعَنْهُ، فقال بِعْهُ وَتَصَدَّق بثمنه۔

(الف) عبارت با اعراب لکھ کر ترجمہ کریں (ب) مطلب بیان کریں (ج) نیز بتائیں کہ اس حدیث کے ظاہر پر عمل کیا جائے گا یا نہیں؟ اس سلسلہ میں ائمہ کا کیا اختلاف ہے اور راجح قول کیا ہے یہ بھی تحریر کریں۔

جواب (الف)

ترجمۃ الحدیث:

حضرت عمرؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے اگر تم کسی ایسے شخص کو پاؤ جس نے مال غنیمت میں خیانت کی ہو تو اس کا سامان جلا دو اور اس کی پٹائی کرو، راوی فرماتے ہیں کہ ہم نے ایک (مال غنیمت میں خیانت کرنے والے شخص) کے سامان میں مصحف

(۱) السمح المحمود ۹/ ۱۲۰، بذل المجهود ۴/ ۲۸، حاشیه ابی داؤد جلد اول.

(بھی) پایا تھا، راوی نے حضرت سالم سے اس کے متعلق پوچھا کہ (اگر خائن کے سامان میں مصحف بھی ہو تو کیا کیا جائے) تو حضرت سالم بن عبداللہ نے ارشاد فرمایا کہ اس کو بیچ دو اور اس کا ثمن صدقہ کر دو۔

جواب (ب)

مطلب الحدیث:

اس حدیث شریف کا ظاہری مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص مال غنیمت میں خیانت کرے اور امیر کو اس کا علم ہو جائے تو امیر پر لازم ہے کہ اس کے سامان کو جلا دے اور اس کی پٹائی کرے تا کہ آئندہ کسی کو ایسی جرأت کرنے کی ہمت نہ ہو سکے، البتہ سامان جلانے میں اس بات کا خیال رہے کہ جانور اور قرآن کریم کو نہ جلایا جائے بلکہ ان کو فروخت کر کے ان کی قیمت کو صدقہ کر دیا جائے۔

لیکن اب یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ایک غلطی پر یہاں دو سزا کیوں رکھی گئی ہیں؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ مال غنیمت میں خیانت کرنے والا شخص کسی ایک کے نہیں بلکہ تمام مجاہدین اور بیت المال کے حق میں زیادتی کرتا ہے اس لئے شریعت میں اس کی سزا زیادہ رکھی گئی ہے۔

واضح رہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے اور ضعیف ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس میں صالحؒ بن محمد نامی ایک راوی ہیں جنہیں امام بخاری نے منکر الحدیث اور امام نسائی نے لیس بالقوی کہا ہے۔

جواب (ج)

اس حدیث کے ظاہر پر عمل کیا جائے گا یا نہیں؟:

اس حدیث کے ظاہر پر عمل کیا جائے گا یا نہیں؟ (یعنی مال غنیمت میں خیانت کرنے والے شخص کے سامان کو جلایا جائے گا یا نہیں) اس میں ائمہ کا اختلاف ہے چنانچہ اس سلسلے میں ائمہ کرام کے دو مذاہب ہیں.....

مذہب اول:

پہلا مذہب حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ، امام مالکؒ، اور امام شافعیؒ کا ہے، ان حضرات کے

نزدیک مال غنیمت میں خیانت کرنے والے شخص کے سامان کوجلایانہیں جائے گااور نہ اس کواس کی غنیمت کے حصہ سے محروم کیاجائے گا، البتہ امیر لشکر یاامام وقت کواس کی تعزیر کرنالازم ہے، پس امیر چالیس کوڑوں سے کم کی جوچاہے اس کوسزادے سکتاہے۔

مذہب دوم:

دوسرامذہب حضرت امام احمدؒ بن حنبل، امام ابوداؤدؒ، اورامام اوزاعیؒ کاہے ان حضرات کے نزدیک مال غنیمت میں خیانت کرنے والے شخص کے سامان کوجلایاجائے گااوراس کواس کی غنیمت کے حصہ سے بھی محروم کیاجائے گا۔

مذہب اول کی دلیل اوروجہ استدلال:

مذہب اول کے قائلین نے اپنے مسلک پر حضرت زیدؓ بن خالد جہنی کی حدیث سے استدلال کیاہے، اس روایت میں ہے کہ حضوعلیہ السلام نے مال غنیمت میں خیانت کرنیوالے ایک شخص کی نماز جنازہ پڑھنے سے انکارفرمادیاتھا، لیکن اس روایت میں اس کے سامان کوجلانے کا کوئی ذکرنہیں ہے، اب اگر سامان جلانابھی ضروری ہوتا تو اس روایت میں آگے اس کاذکربھی ضرورہوتا، پس اس سے معلوم ہوتاہے کہ خائن کے سامان کاجلاناکوئی ضروری نہیں ہے البتہ امیر پر اس کی تعزیرکرناضروری ہے۔

مذہب دوم کی دلیل اوروجہ استدلال:

مذہب دوم کے قائلین نے اپنے مسلک پر مذکورہ فی السوال حدیث سے استدلال کیاہے وجہ استدلال یہ ہے کہ اس حدیث میں صراحت کے ساتھ مذکور ہے کہ حضورعلیہ السلام نے مال غنیمت کے خائن کاسامان جلانے اوراس کو مار کی سزادینے کاحکم دیاہے لہذااس حدیث کے ظاہر پرعمل کرتے ہوئے اس کویہی سزادی جائے گی۔(۱)

مذکورہ مسئلہ میں راجح قول کیاہے؟:

واضح رہیکہ مذکورہ مسئلہ میں راجح قول یہ ہی ہے کہ مال غنیمت میں خیانت کرنے والے کے سامان کوجلایانہیں جائے گا، یہی جمہور کامسلک ہے، اوراسی پر علماء کاعمل ہے، رہی مذکورہ

(۱) بذل المجهود قديم بيروت ۴/ ۳۴.

فی السوال حدیث جس سے حضرت امام احمدؒ نے اپنے مسلک پر استدلال کیا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے، اسمیں ایک روای صالحؒ بن محمد ہیں جنہیں محدثین نے ضعیف قرار دیا ہے اسی لئے امام دار قطنیؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کی نسبت حضور علیہ السلام کی جانب کرنا بالکل غلط ہے در حقیقت یہ حضرت سالمؒ کا قول ہے جس کو حدیث سمجھ لیا گیا ہے۔

﴿تم الجواب بعون الملک الوہاب﴾

﴿سوال ۹﴾

﴿سنن ابی داؤد صفحہ ۳۷۴﴾

عَنْ اَبِی هُرَیْرَةَ قَالَ: قدمتُ المدینةَ ورسول الله صلی اللّٰهُ علیه وسلمَ بِخیبرَ حینَ افتتَحَهَا، فسأَلْتُهُ أن یُسْهِمَ لِیْ، فَتَکَلَّمَ بَعْضُ ولدِ سعیدِ بنِ العاصِ فقال: لاتَسْهَم لهُ یارسول الله قالَ فَقلتُ: هٰذا قاتلُ بنِ قوقلٍ فقالَ سعیدُ بنُ العاص یا عجبا لِوَبَرٍ قَدْ تَدْلِی علینا مِنْ قُدُوْمِ ضَال، یُعیرُنِی بِقَتَلِ اِمْرَءٍ مُسلمٍ أکرَمهُ اللّٰه تَعالیٰ علی یدیَّ، ولَم یُهنی علیٰ یَدیْهِ.

(الف) حدیث شریف با اعراب لکھ کر ترجمہ کریں (ب) مطلب بیان کریں (ج) حدیث پاک سے مفہوم ہوتا ہے کہ خیبر کی فتح کے بعد جو صحابی آپ علیہ السلام سے مال غنیمت میں شرکت چاہتے تھے آپؐ نے ان کو غنیمت میں شریک نہیں کیا مگر دوسری روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ اور دوسرے اصحاب سفینہ کو آپ علیہ السلام نے شریک کیا ہے، اس تضاد کو دور کریں۔

جواب (الف)

ترجمۃ الحدیث:

حضرت ابو ہریرۃؓ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ جس وقت حضور علیہ السلام خیبر فتح ہونے کے بعد خیبر ہی مقیم تھے، تو میں آپ علیہ السلام کے پاس حاضر ہوا، اور میں نے عرض کیا کہ مجھے بھی غنیمت میں سے حصہ دیدیجئے، اس پر حضرت سعید بن عاصؓ کے کسی صاحبزادے (مراد حضرت ابانؓ بن سعید ہیں) نے کہا کہ یا رسول اللہ! ابو ہریرۃؓ کو حصہ نہ دیجئے

حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ میں نے کہا یہ تو ابن قوقل کا قاتل ہے، تو سعید بن العاص نے کہا کہ تعجب ہے ایک ایسے وبر پر جو ضال پہاڑ کی چوٹی سے اتر آیا ہے اور مجھے ایک ایسے مسلمان کے قتل کے بارے میں عار دلاتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے میرے ہاتھوں عزت دی اور مجھے اس کے ہاتھوں ذلیل نہیں کیا۔

مطلب الحدیث:

اس روایت کا مطلب یہ ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ میں ے ھ مسلمان ہوکر جب اپنے یہاں سے آیا تو اس وقت حضور علیہ السلام خیبر فتح کرنے کیلئے تشریف لے جا چکے تھے، چنانچہ میں بھی خیبر روانہ ہو گیا جب میں وہاں پہنچا تو دیکھا کہ خیبر فتح ہو چکا ہے، اور حضور علیہ السلام وہیں مقیم ہیں، چنانچہ میں آپ علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور میں نے آپؐ سے عرض کیا کہ مال غنیمت میں سے مجھے بھی حصہ دیدیجئے، حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ جب میں حضور علیہ السلام سے حصہ طلب کر رہا تھا تو وہاں حضرت ابان بن سعید موجود تھے انہوں نے میرا مطالبہ سنکر حضور علیہ السلام سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ان کو حصہ نہ دیجئے کیونکہ یہ خیبر کی اس لڑائی میں شریک نہیں تھے اس پر میں نے کہا کہ یہ جو مجھے حصہ دینے سے منع کر رہے ہیں یہ تو خود ایک صحابی کے قاتل ہیں اور انہوں نے تو ابن قوقل کو قتل کر رکھا ہے اس پر حضرت ابانؓ بن سعید نے جواب دیا کہ تم اس بات کو بیان کر کے مجھے عار دلانا چاہتے ہو سنو! اس میں عار کی کوئی بات نہیں ہے بلکہ اس میں تو میرے لئے عزت کی بات ہے، بایں طور کہ اللہ تعالیٰ نے ابن قوقل کو میرے ہاتھوں شہید کروا کے عزت بخشی ہے کیونکہ اس وقت میں مسلمان نہیں تھا اور پھر مجھے اسلام کی دولت عطا کر کے ذلت سے بچا لیا ہے۔(۱)

جواب (ج)

کیا حضور علیہ السلام نے خیبر میں شریک لوگوں کے علاوہ کو بھی حصہ دیا ہے؟:

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ مذکورہ فی السوال یہ روایت ایک دوسری روایت کے معارض ہے بایں طور کہ اس روایت سے تو یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ خیبر کی فتح کے بعد جو صحابی آپ علیہ السلام سے مال غنیمت میں شرکت چاہتے تھے آپؐ نے ان کو غنیمت میں شریک نہیں کیا تھا، مگر ایک دوسری روایت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ علیہ السلام نے حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ اور

(۱) المسح المحمود ۹/ ۱۵۸۔

کشتی میں سوار ہوکر یمن سے آنے والے اصحاب سفینہ کو اس غنیمت میں شریک فرمایا ہے؟ اس سوال کا جواب یہ ہے کہ حضور علیہ السلام نے حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ اور دیگر اصحابؓ سفینہ کو غنیمت میں شریک نہیں کیا تھا اور نہ انہیں غنیمت کے مال سے حصہ دیا تھا، بلکہ ان کو جو حصہ دیا تھا وہ خمس سے دیا تھا، لہذا ان دونوں روایتوں میں کوئی تعارض نہیں ہے۔

نیز اس کا دوسرا جواب یہ ہے کہ حضرت ابو موسیٰ اشعری اور اصحابؓ سفینہ خیبر کی فتح مکمل ہونے سے پہلے ہی خیبر پہنچ گئے تھے، اور خیبر کی فتح میں ان حضرات کی شرکت ہوگئی تھی اس لئے حضور علیہ السلام نے ان کو خیبر کے مال غنیمت میں سے حصہ دیا تھا۔(۱)

﴿تم الجواب بعون الملک الوہاب﴾

﴿سوال ۱۰﴾

﴿سنن ابی داؤد صفحہ ۳۷۵﴾

عَنِ ابْنِ عُمَرَؓ أَنَّ رَسُولَ اللّٰہِ صلی اللّٰہ علیہ وسلم أسهَمَ لِرَجُلٍ وَلِفَرَسِهٖ ثَلٰثَةَ أَسْهُمٍ سَهْمًا لَهُ وَسَهْمَيْنِ لِفَرَسِهٖ.

(الف) حدیث شریف کا اعراب لگا کر ترجمہ کریں (ب) مطلب بیان کریں
(ج) راجل اور فارس کے حصوں کے بارے میں ائمہ کرام کے مذاہب مع دلائل تحریر کریں
(د) روایت مذکورہ، امام ابوحنیفہؒ کے موافق ہے یا مخالف؟ اگر مخالف ہے تو امام صاحبؒ کے دلائل لکھیں اور اس حدیث کی قابل قبول توجیہ تحریر کریں۔

جواب (الف)

ترجمۃ الحدیث:

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ حضور علیہ السلام نے ایک شخص کو مع اس کے گھوڑے کے تین حصے دیئے، ایک حصہ اس شخص کیلئے دیا اور دو اس کے گھوڑے کیلئے دیئے۔

مطلب الحدیث:

اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جہاد میں مال غنیمت تقسیم کرتے ہوئے گھوڑے پر سوار ہوکر جہاد کرنے والے شخص کو دو حصے دیئے جائیں گے جن میں سے ایک حصہ اس سوار کا ہوگا اور

(۱) السمیع المحمود ۹/ ۱۵۹، بذل المجہود ۴/ ۴۱۔

دو حصے اس کے گھوڑے کے ہونگے۔ چنانچہ حضرت ابو ہریرہؓ ارشاد فرماتے ہیں حضور علیہ السلام نے ایک مجاہد کو اسی طرح مال غنیمت کا حصہ عطا فرمایا تھا جیسا کہ روایت میں بیان کیا گیا ہے۔

جواب (ب)

راجل اور فارس کے حصوں کے بارے میں ائمہ کرام کے مذاہب اور دلائل:

واضح رہیکہ جہاد میں مجاہد اگر راجل (یعنی پیدل) ہے تو مال غنیمت میں اس کے حصے کے متعلق کسی کا کوئی اختلاف نہیں ہے، بالاتفاق تمام ائمہ کے نزدیک اس کو ایک ہی حصہ دیا جائے گا، لیکن اگر مجاہد فارس ہے (یعنی گھوڑے کے ساتھ ہے) تو مال غنیمت سے اس کے حصہ دینے میں فقہاء کے مابین اختلاف ہے، چنانچہ اس سلسلے میں ان حضرات کے دو مذاہب ہیں.....

مذہب اول:

پہلا مذہب حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ اور امام زفرؒ کا ہے ان حضرات کے نزدیک فارس کو دو حصے ملیں گے ایک حصہ مجاہد کا اور ایک اس کے گھوڑے کا ہوگا۔

مذہب دوم:

دوسرا مذہب حضرت امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام احمدؒ اور امام اوزاعی کا ہے ان حضرات کے نزدیک فارس کو تین حصے ملیں گے جن میں سے ایک مجاہد کا ہوگا اور دو اس کے گھوڑے ہونگے۔

مذہب اول کی دلیل اور وجہ استدلال:

مذہب اول کے قائلین نے اپنے مسلک پر مصنف ابن ابی شیبہؒ اور سنن دار قطنیؒ کی روایت سے استدلال کیا ہے ان دونوں کتابوں میں یہ روایت ہے ''ان رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم جعل للفارس سھمین وللراجل سھما '' حضور علیہ السلام نے (جہاد میں مال غنیمت میں سے) سوار کیلئے دو حصے اور پیدل کیلئے ایک حصہ متعین کیا ہے، اس روایت سے ان حضرات کا استدلال بالکل واضح ہے وجہ استدلال بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

مذہب دوم کی دلیل اور وجہ استدلال:

مذہب دوم کے قائلین نے اپنے مسلک پر مذکورہ فی السوال حدیث سے استدلال کیا ہے،

ان حضرات کا بھی اس روایت سے استدلال کرنا بالکل واضح ہے روایت میں صراحت کے ساتھ مذکور ہے ''أَنَّ رَسُولَ اللّٰہِ صلی اللّٰہ علیہ وسلم أَسْهَمَ لِرَجُلٍ وَلِفَرَسِہٖ ثَلٰثَةَ أَسْهُمٍ سَهْمًا لَهُ وَسَهْمَيْنِ لِفَرَسِهٖ'' حضور علیہ السلام نے جہاد میں سوار ہو کر جہاد کرنے والے کو مال غنیمت سے تین حصے دیئے ہیں جن میں سے ایک خود سوار کا تھا اور دو اس کے گھوڑے کے تھے۔

جواب (د)

کیا روایت مذکورہ امام ابوحنیفہؒ کے مخالف ہے؟:

واضح رہے کہ مذکورہ فی السوال یہ روایت بظاہر حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے مسلک کے مخالف ہے لیکن توجیہ کے بعد آپ کے مسلک کے موافق ہو جاتی ہے، لیکن اسی کے ساتھ یہ بھی یاد رکھیں کہ حضرت امام صاحبؒ کا مسلک اس مسئلہ میں بغیر دلیل کے نہیں ہے، بلکہ آپ کے پاس اپنے مسلک کے موافق بہت سی احادیث بطور دلائل کے موجود ہیں، قبل اس کے ہم اس روایت کی توجیہ کریں حضرت امام صاحبؒ کی چند دلیلیں بیان کرتے ہیں......

مذکورہ مسئلہ پر حضرت امام صاحبؒ کے دلائل:

مذکورہ مسئلہ میں حضرت امام صاحبؒ نے اپنے مسلک پر جن احادیث سے استدلال کیا ہے ان میں سے ایک روایت مصنف ابن ابی شیبہ اور دار قطنی کی ہے ان دونوں کتابوں میں یہ روایت مذکور ہے'' ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم جعل للفارس سهمين وللراجل سهما'' حضور علیہ السلام نے (جہاد میں مال غنیمت میں سے) سوار کیلئے دو حصے اور پیدل کیلئے ایک حصہ متعین کیا ہے۔

دوسری حضرت مجمع بن جاریہ کی روایت ہے یہ روایت سنن ابی داؤد ہی کی ہے اور اس میں یہ الفاظ ہیں ''فأعطى الفارس سهمين وأعطى الراجل سهما'' حضور علیہ السلام نے جہاد میں سوار شخص کو دو اور پیدل شخص کو ایک حصہ مال غنیمت کا دیا ہے۔

تیسری حضرت زبیر بن العوام کی روایت ہے، حضرت زبیر خود اپنا واقعہ بیان کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں ''شهدت بني قريظة فضرب لي بسهم ولفرسي بسهم'' میں غزوۂ بنی قریظہ میں شریک ہوا (مال غنیمت میں سے) میرے لئے ایک اور میرے گھوڑے کیلئے ایک حصہ متعین کیا گیا۔

یہ تمام روایتیں حضرت امام ابو حنیفہؒ کی دلیل ہیں جو ان کے مسلک پر صراحت کے ساتھ دلالت کرتی ہیں۔ (السح المحمود ۱/۱۷۶)

حدیث مذکورہ فی السوال کی توجیہ:

حدیث مذکورہ فی السوال کی توجیہ یہ ہے کہ اصل تو سوار مجاہد کو مال غنیمت میں سے دو ہی حصے ملیں گے رہا اس روایت میں تین حصے ملنے ذکر تو ہوسکتا ہے اس موقع پر جب کی یہ روایت ہے حضور علیہ السلام نے ایک حصہ بطور نفل کے اپنی جانب سے دیدیا ہو کیونکہ امیر کو اس بات کی اجازت ہوتی ہے کہ وہ جس کو چاہے بطور نفل کے زائد حصہ دے سکتا ہے۔

﴿تم الجواب بعون الملک الوہاب﴾

﴿سوال ۱۱﴾

﴿سنن ابی داؤد صفحہ ۳۷۸﴾

عن حبیب بن مَسْلَمَةَ الفهریّ یقول شهدتُ النبی صلی الله علیه وسلم نَفَّلَ الرُّبْعَ فی الْبدْاةِ وَالثُّلث فی الرَّجعَةِ۔

(الف) حدیث شریف بااعراب نقل کر کے ترجمہ کریں (ب) حدیث شریف کا ایسا مطلب جس سے فی البداءۃ والرجعۃ کا مفہوم واضح ہوجائیں تحریر کریں (ج) نیز بتائیں کہ حدیث شریف میں مذکور یہ حکم پورے لشکر کے لئے ہے یا اس میں سے کسی خاص سریہ کے لئے ہے تحریر کریں (د) یہ حکم امام کے اعلان پر موقوف ہے یا عام ہے اس کی وضاحت کریں (ھ) اور اسی کے ساتھ یہ بھی بتائیں کہ یہ ربع ثلث اور خمس کے بعد ہے یا خمس سے پہلے ہے، جواب سوچ کر تحریر کریں۔

جواب (الف)

ترجمۃ الحدیث:

حضرت حبیبؓ بن مسلمۃ فہری سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ میں (ایک غزوہ میں) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شریک تھا (اس غزوہ میں) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (مجاہدین

کو) جاتے ہوئے تونفل کا چوتھائی حصہ عطاء کیا اور واپس آتے ہوئے تہائی حصہ عطافرمایا۔

جواب (ب)

مطلب الحدیث:

اس حدیث شریف کا مطلب جیسا کہ ترجمہ سے معلوم ہو رہا ہے یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجاہدین کو غزوہ میں جاتے ہوئے اور پھر واپس آتے ہوئے مال غنیمت کے علاوہ چوتھائی اور تہائی کے اعتبار سے انعام سے سرفراز فرمایا ہے۔

واضح رہیکہ نفل کے معنی زیادتی اور ہبہ کے ہیں اور اصطلاح میں مالِ غنیمت کو بھی نفل کہا جاتا ہے لیکن یہاں نفل سے مراد مجاہدین کو ملنے والا وہ انعام ہے جو مال غنیمت کے حصہ کے علاوہ ہوتا ہے اور امیر لشکر جہاد میں کسی جماعت کی مشقت اور کوشش کی وجہ سے اس کو عطاء کرتا ہے۔

یہاں یہ بات بھی ذہن نشین رہے کہ جہاد کے سفر میں امیر لشکر کو اس بات کا مکمل حق ہوتا ہے کہ وہ لشکر کے کسی بھی فرد یا جماعت کو نفل کے عنوان سے مال غنیمت کے علاوہ بطور انعام کچھ مال عطاء کرسکتا ہے، جیسا اس حدیث شریف میں مذکور ہے کہ حضور علیہ السلام نے جہاد میں جاتے ہوئے چوتھائی اور واپس آتے ہوئے تہائی مال کے اعتبار سے مجاہدین کو بطور نفل مال عطاء فرمایا ہے۔

واضح رہیکہ اس حدیث شریف میں لفظ ''البدأة'' سے مراد جہاد میں جانا اور ''الرجعة'' سے مراد جہاد کے سفر سے واپس آنا ہے، اور جہاد کے سفر میں جاتے اور آتے ہوئے بڑے لشکر سے مجاہدین کی ایک چھوٹی جماعت تیار کر کے کسی سریہ پر روانہ کرنا ہے۔

جواب (ج)

نفل کا یہ حکم پورے لشکر کیلئے ہے یا کسی خاص سریہ کیلئے ہے؟:

واضح رہیکہ مجاہدین کو نفل دینے کا یہ حکم پورے لشکر کے لئے ہے کسی سریہ کہ ساتھ خاص نہیں ہے۔

ان حکم التنفیل لیس بمختص بسریة خرجت من العسکر به هو یعم جمیع العاسکر. (۱)

(۱) القول المحمود ص ۲۷.

جواب (د)

کیا نفل دینے کا یہ حکم امام کے اعلان پر موقوف ہے؟:

مجاہدین کو نفل دینے کا یہ حکم امام کے اعلان پر موقوف نہیں ہے بلکہ اگر امام کسی کو اعلان کے بغیر بھی دینا چاہے تو دے سکتا ہے۔ان هذا الحکم لیس متوقف علی إعلان الامام بل یختار الامام أن ینقل من شاء علی فعله و ان لم یعلن. (۱)

جواب (ھ)

مجاہدین کو نفل کا دینا مال غنیمت کا خمس نکلنے کے بعد ہے یا اس سے پہلے ہے؟:

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ امیر لشکر کیلئے مجاہدین کو بطور انعام کے نفل کے عنوان سے جو مال عطاء کرنے کا حق ہے وہ مال غنیمت سے خمس نکال نے کے بعد ہے یا اس سے پہلے بھی ہے؟

اس سوال کا جواب یہ ہے کہ حضرت امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ مجاہدین کو نفل مال غنیمت کے خمس سے دیا جائے گا، جبکہ حضرت امام شافعیؒ کا فرمانا یہ ہے امیر اس نفل کو مال غنیمت کے خمس الخمس سے جو امام کا حصہ ہوتا ہے عطاء کرے گا۔

﴿تم الجواب بعون الملک الوہاب﴾

﴿سوال ۱۲﴾

﴿سنن ابوداؤد صفحہ ۳۷۸﴾

عن عَمَرو بنِ شعیبِ عن أبیهِ عن جَدِّهِ قال قالَ رسول اللّٰهِ صلی اللّٰه علیه سلم المسلمون تتکافأدِماءُ هُمْ یسعٰی بِذِمَّتِهِمْ أدْناهُم، یُجِیرُ عَلَیهِمْ اقصَاهُم، وَهُم یَدٌ عَلٰی مَن سِواهُم یَردُ مُشدَهُم علٰی مُضعِفِهِمُ وَمتَسَرِّیهم عَلٰی قاعِدِهِمْ لَایُقْتَلُ مؤمِنٌ بِکَافِرِ ولا ذُوعهْد فی عهدِهِ وَلَمْ یَذْکُر بْنُ اسحٰق القود التکافی۔

(الف) حدیث شریف بااعراب لکھ کر ترجمہ کریں (ب) مطلب تحریر کریں

(۱) القول المحمود ص ۲۷.

(ج)''ویجیر علهم أقصاهم'' کے مفہوم میں اگر اختلاف ہوتو اس کو بیان کریں (د) اسی طرح ''ولا یقتل مؤمن بکافر'' میں اگر ائمہ کا اختلاف ہوتو اس کی وضاحت کریں (ھ) خط کشیدہ عبارت کا مطلب بیان کریں۔

جواب (الف)

ترجمۃ الحدیث:

حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد شعیب سے اور شعیب اپنے دادا عبداللہ بن عمرو بن العاص سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ مسلمانوں کے خون برابر ہیں، ادنی مسلمان بھی امن دے سکتا ہے (اور اس کے امن کو پورا کرنا ضروری ہے) اور دور کا رہنے والا بھی پناہ دے سکتا ہے (اگر چہ اس سے نزدیک والا موجود ہو) اور ہر مسلمان دوسرے اپنے مخالفین کے خلاف مسلمان کی مدد کرے، اور زور آور سواریوں والے کمزور سواریوں والوں کے ساتھ رہیں، اور جب لشکر میں سے ٹکڑے نکالے جائیں اور وہ مال لائیں تو لشکر والوں کو بھی اس میں شریک کر لیا جائے اور کوئی مسلمان کسی کافر کے بدلے میں قتل نہ کیا جائے اور نہ ہی ذمی کو اس کے عہد کے وقت قتل کیا جائے، راوی ابن اسحاق نے قود اور تکافی کا ذکر نہیں کیا ہے۔

جواب (ب)

مطلب الحدیث:

اس حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ تمام مسلمان آپس میں خون کے اعتبار سے برابر ہیں قصاص یا دیت میں ان کے درمیان شریف اور کمتر کے اعتبار سے کوئی فرق نہیں ہے جس طرح کمتر یا نیچے خاندان کے کسی شخص کو اس کے جرم کی بنیاد پر سزا دی جائے گی اسی طرح شریف یا اونچے خاندان کے شخص کو بھی اس کے جرم پر سزا دی جائے گی، حدودات میں اسلام نے آپس کے فرق کو یکسر ختم کر دیا ہے۔

قوله :یسعی بذمتهم أدناهم....

اس کا مطلب یہ ہے کہ ادنی درجہ کا مسلمان بھی ہے کسی کو امن دے سکتا ہے یہاں پر ادنیٰ کے دو معنی ہو سکتے ہیں ایک یہ کہ عدد کے اعتبار سے ادنیٰ ہو یعنی کم ہو دوسرے یہ کہ حیثیت کے

اعتبار سے ادنیٰ ہو یعنی معاشرہ میں کمتر ہو، پہلی صورت کے اعتبار سے مطلب یہ ہوگا کہ اگر ایک شخص بھی امان دیدے تو اس کے امان کو پورا کیا جائے گا دوسری صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ اگر کم حیثیت کا آدمی مثلاً غلام یا عورت بھی کسی کو پناہ دے تو تمام مسلمان اس کو پورا کریں گے۔

قوله: وهم يدعلى من سواهم:

اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر ایک مسلمان کو چاہئے کہ وہ دوسرے مسلمان کی مدد کرے اگر کافروں کے خلاف مسلمانوں سے لڑائی کی اپیل کی جائے تو سب مسلمانوں کو جانا ضروری ہے اور جب مدد مانگی جائے تو ایک کو دوسرے کی مدد کرنا بھی ضروری ہے۔

قوله: يرد مشدهم على مضعفهم....

اس جملے کے دو مطلب ہو سکتے ہیں (۱) ایک یہ کہ اگر جنگ میں کچھ لوگ طاقتور ہوں اور کچھ کمزور وضعیف ہوں تو طاقتوروں کو جو مال غنیمت ملے اس میں کمزوروں کو بھی شامل کرلیں (۲) اور دوسرا مطلب یہ ہے کہ اگر جہاد وغیرہ کے سفر میں کسی شخص کی اونٹنی تھک جائے یا کمزور ہو جائے ہے تو جس شخص کی اونٹنی اچھی ہو وہ اس کی مدد کردے تا کہ سفر میں سب ساتھ ہی رہیں کوئی پیچھے نہ رہے۔

قوله: ومتسريهم على قاعدهم متسريهم....

واضح رہے کہ یہاں ''مستسریهم'' سے مراد سریہ میں جانے والے ہیں، اور ''قاعدهم'' سے مراد وہ لشکر والے ہیں جو دارالحرب میں مقیم ہوں، اور مطلب یہ ہے کہ سریہ میں جانے والے حضرات جو مالِ غنیمت لیکر آئیں تو اس میں سے دارالحرب میں مقیم لشکر والوں کو بھی حصہ عطاء کریں۔

قوله: لايقتل مؤمن بكافر ولاذو عهد في عهده......

اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی مؤمن کو کسی کافر کے بدلے میں قتل نہ کیا جائے اور نہ ہی کسی ذمی کو اس کے امان کے وقت میں قتل کیا جائے۔

جواب (ج)

کیا ''ويجير علهم أقصاهم'' کے مفہوم میں اختلاف ہے؟:

واضح رہے کہ ''ويجير علهم أقصاهم'' کے مفہوم میں کوئی اختلاف نہیں ہے، چنانچہ

صاحب بذل ارشاد فرماتے ہیں............

أی: یجیر علی المسلمین اقصاهم فی الرتبة کالعبد الماذون فی القتال فالأدنی کالأعلی یعطی الأمان لمن شاء او معناه أن بعض المسلمین وان کان قصی الدار عن بلاد الکفر اذا عقد للکافر عقدا فی الأمان لم یکن لأحد نقضه وان کان أقرب دارا من المعقود له.(۱)

جواب(و)

''و لایقتل مؤمن بکافر'' کی تفسیر میں أئمہ کے اختلاف کی وضاحت:

واضح رہیکہ حدیث شریف کی اس عبارت کے دو جز ہیں ایک ''لایقتل مؤمن بکافر'' ہے، اور دوسر ''ولاذو عهد فی عهده'' ہے، حدیث کے ان دونوں جملوں کا کیا مطلب ہے اس کے متعلق فقہاء کرام کے درمیان اختلاف ہے، چنانچہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ حدیث کے ان دونوں جملوں کا باہم ربط ہے، پس جو حکم پہلے جملے ''لایقتل مؤمن بکافر'' کا ہے وہی حکم ''ولاذو عهدفی عهده'' کا ہے۔

اس کے برخلاف حضرات أئمہ ثلاثہؒ فرماتے ہیں کہ یہ دونوں دو الگ الگ جملے ہیں اور پہلے جملے کا دوسرے جملے سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

أئمہ کے درمیان اس اختلاف کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اگر کسی مسلمان نے کسی حربی کافر کو قتل کر دیا تو اس کے بدلے میں مسلمان قاتل کو بالاتفاق قتل نہیں کیا جائے گا لیکن اگر کوئی مسلمان ذمی کو قتل کر دے تو حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک اس مسلمان کو اس ذمی کے قصاص میں قتل کیا جائے گا اور حضرات أئمہ ثلاثہؒ کے نزدیک اس مسلمان کو قتل نہیں کیا جائے گا۔

﴿تم الجواب بعون الملک الوہاب﴾



(۱) حاشیة سنن ابی داؤد.

﴿سوال ۱۳﴾
﴿سنن ابی داؤد صفحہ ۳۷۸﴾

قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم المسلمون تتکافأدِماءُ هُمْ یسعٰی بِذِمَّتِهِمْ أدْناهُم، یُجیرُ عَلَیهِمْ اقصَاهُم، وَهُمْ یَدٌ عَلٰی مَنْ سِواهُم یَرِدُ مُشِدَهُم علٰی مُضعِفِهِمُ وَمتَسَرِّیهم عَلٰی قاعِدِهِمْ لَایُقْتَلُ مؤمِنٌ بِکافر ولا ذُو عهْد فی عهدِهٖ.

(الف) حدیث شریف با اعراب لکھ کر ترجمہ کریں (ب) مطلب بیان کریں (ج) امان دینے کے کیا شرائط ہیں ان کو بیان کریں (د) ولایقتل مؤمن بکافر سے معلوم ہوتا ہے کہ مؤمن کسی کافر کے بدلے میں قتل نہیں کیا جائے گا، اگر یہ حدیث حنفیہ کے خلاف ہو تو اس کا قابل قبول جواب دینے کی کوشش کریں۔

جواب (الف)

ترجمۃ الحدیث:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ مسلمانوں کے خون برابر ہیں، ادنی مسلمان بھی امن دے سکتا ہے (اور اس کے امن کو پورا کرنا ضروری ہے) اور دور کا رہنے والا بھی پناہ دے سکتا ہے (اگر چہ اس سے نزدیک والا موجود ہو) اور ہر مسلمان اپنے مخالفین کے خلاف دوسرے مسلمان کی مدد کرے، اور زور آور سواریوں والے کمزور سواریوں والوں کے ساتھ رہیں اور جب لشکر میں سے ٹکڑے نکالے جائیں اور وہ مال لائیں تو لشکر والوں کو بھی اس میں شریک کرلیا جائے اور کوئی مسلمان کسی کافر کے بدلے میں قتل نہ کیا جائے اور نہ ہی ذمی کو اس عہد کے وقت قتل کیا جائے۔

جواب (ب)

مطلب الحدیث:

اس حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ تمام مسلمان آپس میں خون کے اعتبار سے برابر

ہیں قصاص یا دیت میں ان کے درمیان شریف اور کمتر کے اعتبار سے کوئی فرق نہیں ہے جس طرح کمتر یا نیچے خاندان کے کسی شخص کو اس کے جرم کی بنیاد پر سزا دی جائے گی اسی طرح شریف یا اونچے خاندان شخص کو بھی اس کے جرم پر سزا دی جائے گی، حدودات میں اسلام نے آپس کے فرق کو یکسر ختم کر دیا ہے۔ (مزید تفصیلی مطلب سابقہ سوال کے تحت گذر چکا ہے وہیں ملاحظہ فرمالیں)

جواب (ج)

<u>امان دینے کے کیا شرائط ہیں؟:</u>

واضح رہیکہ کسی کو امان دینے اور امان کے صحیح ہونے کیلئے درج ذیل شرائط ہیں....

(۱) عقل کا ہونا... پس مجنون کی امان معتبر نہیں ہے۔ (۲) اسلام کا ہونا (یعنی امان دینے والے کا مسلمان ہونا)... پس کافر کی امان معتبر نہیں ہے۔ (۳) بالغ ہونا..... پس نابالغ بچہ جو سمجھ نہ رکھتا ہو اس کی امان معتبر نہیں ہے الاّ یہ کہ اس کے بڑے اس کی تصدیق کر دیں تو پھر بڑوں کی تصدیق سے اس کی امان معتبر ہو جائے گی۔

جواب (د)

<u>کیا یہ حدیث احناف کے خلاف ہے؟:</u>

واضح رہیکہ مذکورہ فی السوال یہ حدیث بظاہر احناف کے خلاف ہے، لیکن اگر غور کیا جائے تو یہ احناف کے خلاف نہیں ہے بلکہ احناف کے اس مسلک کے عین موافق ہے کہ اگر کسی مسلمان نے دوران ذمہ کسی ذمی کافر کو قتل کر دیا تو قصاص میں اس مسلمان کو قتل کیا جائے گا اور یہ حدیث احناف کے اس مسلک کے موافق بایں طور ہے کہ اس حدیث کے جملے ''**لا یقتل مؤمن بکافر**'' اور ''**و لا ذو عهد فی عهده**'' دو لگ الگ جملے نہیں ہے، بلکہ دونوں ایک دوسرے سے باہم مربوط ہیں اور دونوں کا ایک ہی حکم ہے جس کی تفصیل یہ ہے کہ پہلا جملہ معطوف علیہ ہے اور دوسرا جملہ معطوف ہے، اب ''**و لا ذو عهد**'' کا عطف ''**بکافر**'' پر تو ہو نہیں سکتا اس لئے کہ اگر ''**بکافر**'' پر اس عطف مانیں گے تو اس کو مجرور یعنی ''**ذی عهد**'' ہونا چاہئے تھا اس لئے لامحالہ اس کا عطف ''**مؤمن**'' پر ہے، اور عبارت اس طرح ہے ''**و لا یقتل مؤمن**

بکافر و لا ذو عهد فی عهده ''اور کافر سے مراد حربی کافر ہے اور چونکہ معطوف اور معطوف علیہ میں مغایرت ہوتی ہے، اس لئے اب عبارت کا مطلب یہ ہوگا کہ کسی مسلمان کو کسی کافر حربی کے بدلے میں قتل نہ کیا جائے اور ذو عہد کو بھی کسی کافر کے بدلے میں قتل نہ کیا جائے۔(۱)

﴿تم الجواب بعون الملک الوہاب﴾

﴿سوال ۱۴﴾

﴿سنن ابی داؤد صفحہ ۳۸۵﴾

عن سمرةَ بن جندب أمّا بعد! قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من جَامَع المشركَ وَسَكَنَ مَعَهُ فإِنَّهُ مثلُهُ.

(الف) حدیث شریف با اعراب لکھ کر کا ترجمہ کریں (ب) مطلب بیان کریں (ج) ''فانه مثله '' کی ایسی توجیہ کریں کہ اہل حق کے مسلک کے خلاف نہ ہو (د) نیز بتائیں کہ حضرت امام ابوداؤدؒ نے حضرت سمرہؓ بن جندب کی حدیث میں ''أمــا بـعـد '' سے کس چیز کی طرف اشارہ کیا ہے، جواب سمجھ کر تحریر کریں۔

جواب (الف)

ترجمۃ الحدیث:

حضرت سمرہؓ بن جندب سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ جو شخص مشرک کے ساتھ بیٹھے اٹھے اور اس کے ساتھ سکونت اختیار کرلے وہ اسی کے مثل ہے۔

جواب (ب)

مطلب الحدیث:

اس حدیث شریف کا آسان مطلب یہ ہے کہ جو شخص مشرکین کے ساتھ رسوم وعادات، شکل وصورت، رہن وسہن، اور دیگر چیزوں میں موافقت کرے تو قریب ہے کہ وہ بھی مشرک ہوجائے کیونکہ صحبت کا ایک غیر معمولی اثر ہوتا ہے اچھے لوگوں کی صحبت انسان کو اچھا بنادیتی ہے اور برے

(۱) السمح المحمود ۹/ ۱۹۹.